قوم، ''مسلم'' ہے مِری، دین، مِرا ''مُصطفوی''

یٰسؔ اختر مصباحی
دارُالقلم، دہلی

قوم، مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں، تم بھی نہیں
جَذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں

ہر انسان، متعدد نسبتوں سے وابستہ ہوتا ہے اور ہر مستحسن نسبت سے اسے اُنسیت ومحبت ہوا کرتی ہے، گہرا لگاؤ ہوتا ہے، اور وہ نسبت، اس کی شناخت بھی ہوا کرتی ہے۔ مثلاً:

ہر مسلمان کو اپنے دین ومذہب سے تعلقِ خاطر ہوتا ہے۔ جسے وہ، اپنی جان ودل سے زیادہ عزیز، رکھتا ہے۔ دین ومذہب سے اس کی پائیدار نسبت ہی، اُس کا حقیقی تعارف، اُس کا امتیاز واِختصاص اور اُس کی واضح شناخت ہوتی ہے۔ جو، اُس کے لئے باعثِ اِعزاز واِفتخار اور سرمایۂ سعادت، ہوا کرتی ہے۔

جو سرزمین، اُس کی ولادت گاہ ہوتی ہے۔ جہاں، وہ، اس دنیا میں اپنا پہلا قدم رکھتا ہے۔ اُس سرزمین سے اُسے فطری اُنسیت ومحبت ہو جاتی ہے، جو، زندگی بھر کے لئے اُس کے نہاں خانۂ دل کی امانت بن جاتی ہے۔ اور اس کی ہر یاد، اُس کے لئے باعثِ صد ہزار فرحت وبہجت ومسرت، ہوا کرتی ہے۔

جس خطۂ ارض اور جس ملک کا وہ، باشندہ ہوتا ہے۔ جہاں کا وہ، شہری، ہوتا ہے، اُس ملک کی محبت ووفاداری کو، وہ، اپنی زندگی کا لازمی حصہ، اور اپنا دینی واخلاقی فریضہ، تصور کرتا ہے۔

مِلّتِ اسلامیہ اور قومِ مسلم کا اپنے آپ کو، وہ، ایک اہم فرد سمجھتا ہے۔ اپنی قوم کے تحفظ، اُس کی تعمیر، اُس کے عروج واِقبال، اُس کے وقار وآبرو، اُس کی عظمت وشہرت اور اُس کی بقا واستحکام کو خود، اپنے وجود کی فلاح وکامرانی کا عنوان اور سرنامۂ اِفتخار سمجھتا ہے۔

اور اسے اپنے دل کی گہرائی سے، ایسا سمجھنا ہی چاہیے۔

یہی، اِس حیات وکائنات کی زندہ وتابندہ حقیقت اور واضح وروشن صداقت ہے کہ:

ہر فرد ہے، مِلّت کے مقدّر کا سِتارا

مسلمان، اپنے دین، اپنی قوم، اپنے وطن، اپنے ملک، ہر ایک سے محبت رکھتا ہے

اور اپنی اپنی جگہ، ہر ایک کا وفادار ہوتا ہے اور اسے، ایسا ہونا ہی چاہیے۔

وہ، حجازی ہو کہ عراقی، مصری ہو کہ شامی، ہندوستانی ہو کہ پاکستانی، افریقی ویوروپی ہو کہ امریکی وآسٹریلیائی، ہر صورت اور ہر حال میں ایک سچا مسلمان:

اپنے دین، اپنی قوم، اپنے وطن، اپنے ملک، ہر ایک سے محبت رکھتا ہے۔ اور:

ہر ایک کا وفادار ہوتا ہے۔ اور اسے، اِن سب کا وفادار ہونا ہی چاہیے۔

دنیا کے کسی خطے، کسی علاقے میں، کوئی مسلمان، آباد ہو، اُس مسلمان کا اصل تعارف واِمتیاز، اُس کا دینِ اسلام ہے۔ **نہ کہ نسب ونسل اور ملک ووطن۔**

اپنی اسلامی شناخت اور اعزاز واِفتخار کو، پسِ پشت ڈالتے ہوئے:

''اَلْوَحْدَۃُ الْعَرَبِیۃ'' اور ''نَحنُ اَبناءُ الْفَرَاعِنَۃ'' کا نعرہ لگانا ''عہدِ جاہلی'' کی یادگار ہے۔

مذہب بیزار فلسفۂ ''نیشنلزم'' ہو کہ فلسفۂ ''وطنیت'' اُسے، پروان چڑھانا، مغربی اَقوام ومِلَل کے فلسفۂ حیات کی ریزہ خواری اور ان کی ذہنی وفکری غلامی کی پس ماندہ یادگار ہے۔

جو، قومِ مسلم کے دین ومذہب کے لئے، زہرِ ہلاہل اور پروانۂ موت ہے۔

اِن تازہ خداؤں میں، بڑا، سب سے ''وطن'' ہے
جو، پیرہن، اِس کا ہے، وہ، مذہب کا ''کفن'' ہے

متحدہ ہندوستان کے چند معروف ہندو مفکرین اور لیڈروں کے خیالات ونظریات، یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔ جس کا مقصد، کسی نئی بحث کا آغاز نہیں، بلکہ تاریخِ ماضی کا آئینہ دکھانا، اصل مقصود ہے۔

مندرجہ ذیل، تاریخی حوالہ جات سے، دودو چار کی طرح، واضح ہو جائے گا کہ:

قومیت ہو، یا۔ متحدہ قومیت، ان کا صحیح نظریاتی مصدر ومنبع اور مفہوم ومراد:

کس کے نزدیک، کیا ہے؟

''قومیت'' کے بارے میں ''نوبل انعام یافتہ'' بنگالی شاعر ومفکر، **رابندر ناتھ ٹیگور** کا نظریہ، ہے کہ:

(انگریزی سے ترجمہ) لفظِ قوم، (نیشن) ہماری زبان اور ہمارے ملک میں نہیں پایا جاتا۔

یوروپی علوم سیکھنے کے بعد، اس کا تصور، ہمارے یہاں، پیدا ہوا۔

مگر، ہمارے مذہب، ہماری تہذیب، ہماری زبان اور ہمارے خاندان میں،

کہیں بھی اس کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا تھا۔"

(P:130, Eastern and western civilization, Edited by Sachin Sen, General Printers and publishers, Calcutta, 1947)

مشہور ہندو مفکر و لیڈر، سوامی وویکانند، "قومیت" کے بارے میں لکھتے ہیں:

(انگریزی سے ترجمہ) **یوروپ میں "قومی ایکتا" کی بنیاد، سیاست ہے۔**

اور، ایشیا میں "قومی ایکتا" کی بنیاد، مذہب ہے۔

اسی لئے ہندوستان کے بہتر مستقبل کے واسطے، سارے مذاہب کا ایک ہو جانا، ضروری ہے۔

اور ہندوستان کے طول و عرض میں، صرف ایک مذہب کو قبول کیا جانا، لازم ہے۔

(P:286-287, The future of India, in the complete worus of Swami Vivekananda, Vol,3, A Dvaita Ashram, Calcutta, 1997)

شری، ویر دامور ساورکر کا نظریۂ قومیت، یہ ہے:

(انگریزی سے ترجمہ) **"ہندوتوا" کے بنیادی عناصر، یہ ہیں:**

ایک قوم، ایک نسل، ایک تہذیب۔"

(P:116, Hindutva, V.D. Savarkar, Bharti Sahitya Sadan, Delhi, 1989)

(انگریزی سے ترجمہ) **"ہندوتوا" کے عناصر ہی "قومیت" کے بھی، عناصر ہیں۔"**

(P:137, Hindutva, V.D. Savarkar, Bharti Sahitya Sadan, Delhi, 1989)

آر، ایس، ایس، سربراہ، شری، گولوالکر لکھتے ہیں کہ:

(انگریزی سے ترجمہ) کسی قوم (نیشن) کے پانچ بنیادی عناصر ہوتے ہیں:

ملک، نسل، مذہب، تہذیب، زبان۔"

(P:39, We or our Nationhood Defined, M.S. Golwalkar, Bharat Publications, Nagpur, 1939)

(انگریزی سے ترجمہ) سرزمینِ ہند میں ہندو نسل، ہندو مذہب، ہندو تہذیب، ہندو زبان

یہی چیزیں، مِل کر "نظریۂ قومیت" کی تکمیل کرتی ہیں۔"

(P:43, We or our Nationhood Defined, M.S. Golwalkar, Bharat Publications, Nagpur, 1939)

اپنے ایک نہایت وقیع رسالہ (بنام "اَلرَّشاد"۔ مؤلّفہ سید سلیمان اشرف، مطبع انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ کالج، علی گڑھ۔ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء) میں، علّامہ سید سلیمان اشرف، بہاری، ثمّ علی گڑھی (وصال ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) سابق صدر شعبۂ علومِ اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ خلیفۂ فقیہِ اسلام، امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) قُدِّسَ سِرُّھُمَا، تحریر فرماتے ہیں:

"مسلمانوں کا ایک عہد، عیسائیت کے ساتھ، تعشُّق و شیفتگی کا تھا۔ مسلمان، ہمہ تن، اوس میں حُلول و جَذب ہو جانے کے لئے بیتاب تھے۔

لیڈرانِ قوم نے اوس وقت، نہایت بلند آہنگی سے، یہ صُور پھونکا تھا کہ:

"اگر، باعزت، دنیا میں رہنا چاہتے ہو، تو یوروپ میں جَذب ہو جاؤ۔

مسلم ہستی، بذاتِ خود، قائم ہو ہی نہیں سکتی۔ اسلامی انداز، جلد از جلد چھوڑو۔ اور یوروپ کے اسلوب، اختیار کرو۔"

پھر، کیا تھا۔ مسلمانوں کی شکل و صورت، لباس و پوشاک، طرزِ ماندوبود۔

غرض، ہر ایک شعبۂ حیات میں، یوروپ کی تجلّی تھی۔ حتیٰ کہ نام تک، یوروپین تلفظ و اِملا میں شامل کر لیا گیا۔ ارکانِ اسلام سے بیگانہ وَشی، لَوازِمِ تہذیب و تعلیم، قرار پائی۔

اب، چند سال سے، ایک نیا دَور، شروع ہوا۔

مسلمانوں نے دوسری کروٹ بدلی تو اِس کی تلاش ہوئی کہ:

اِس مرتبہ، کس قوم میں مِل کر، فَنائے کُلّی کا مرتبہ، حاصل کیا جائے۔

تا کہ اس کی رہی سہی علامتِ اسلامی بھی، مٹ جائے؟

بارے! اِس مرتبہ، زیادہ سرگردانی کی نوبت، نہیں آئی۔

پاس ہی، ملک میں، ایک قوم ہمسایہ، مِل گئی۔ نہایت اطمینان سے اوس میں جذب ہونا، شروع ہو گئے۔

لیڈروں نے پھر، اسی تلقین کا اِعادہ کیا کہ:

"تم، ہیچ۔ تمہارے مذہبی دستورُ العمل، ہیچ۔ تمہارے اسلام کے کارنامے، ہیچ۔

خبردار! مسلم قوم کو بذاتِ خود، قیام کی کوشش، سخت حماقت و بے غیرتی ہے۔

یہ زَرّیں موقع، ہاتھ سے جانے، نہ پائے۔

احسان مانو کہ اپنی رہی سہی ''**قومیت**''، مٹانے کے لئے ہمیں، دور، نہ جانا پڑا۔

خود، اپنے ہمسایہ میں ایک ''قوم'' ایسی مل گئی جس میں جَذب ہوکر:

ہم، نیست و نابود ہو سکتے ہیں۔

مسلمانوں نے بھی، لیڈروں کی اِس تلقین پر، لَبَّیک کہا۔

اِس دَور سے پیشتر، عیسائیت میں جَذب ہونے کے لئے مسائلِ شرعیہ میں:

طرح طرح کی تحریفیں، کی گئیں۔ آیاتِ قرآنی واحادیثِ نبوی کے مطالب میں،

عجیب وغریب، معنیٰ آفرینیوں سے کام لیا گیا۔

اِس دَورِ جدید میں، ہندوؤں کے لئے، وہی باتیں، کی جارہی ہیں۔

مذہب کا بڑا حصہ، یوروپ پر سے نچھاور کیا جاچکا تھا۔ جو، باقی تھا، وہ:

بڑی فیاضی سے ''**ایک شریف قوم**'' نے پہلے ہی قدم اِتحاد پر قربان کردیا'' اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(ص ۹۔ **اَلرَّشاد**۔ مؤلّفہ مولانا سید سلیمان اشرف۔ مطبوعہ: مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کالج، علی گڑھ۔ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء۔ باہتمام: محمد مقتدیٰ خاں، شیروانی)

بیسویں صدی عیسوی کی تیسری چوتھی دَہائی میں، ہندو ذہنیت اور ہندتوا کے کئی چوٹی کے نمائندوں کا، یہ **خیال اور نظریہ**، زبانی وتحریری طور سے سارے ہندوستانیوں کے سامنے دوٹوک انداز میں سامنے آیا کہ:

ہندو، الگ اور مسلمان، الگ ہیں۔ اور، رفتہ رفتہ، مسلم قوم کو، ہندو قوم میں ضَم اور جَذب کرلیا جائے۔

۱۹۲۳ء میں آر۔ ایس۔ ایس لیڈر، شری، **ویر دامودر ساوَرکر** نے اپنی مشہور کتاب ''ہندوتوا''، لکھی۔ جس میں ''ہندو'' کی ایک مستقل اور الگ شناخت پر، زور دیا گیا۔

''ہندوتوا'' کو، قومی شناخت کی علامت، ظاہر کیا گیا۔

جس کا صاف اور صریح مطلب، یہ ہے کہ **''غیر ہندو'' کی قومیت، بالکل علیحدہ ہے۔**

سیاسی طور پر، دوقومی نظریہ کا بانی، ساوَرکر ہے۔

اِسی لئے اسے '' **دوقومی نظریہ کا بانی**'' سمجھا اور کہا جاتا ہے۔

جس کا واضح لفظوں میں، یہ پیغام ہے کہ:

ہندو مذہب، ہندو تہذیب، ہندو زبان، ہندو وطن، ہندو آئین، ہندو قوم، سب کچھ، دوسروں سے بالکل الگ ہے۔ اور:

جو، بظاہر مشترک ہے، اُسے بھی، رفتہ رفتہ ضَم کرکے، ایک، بنالیا جائے گا۔

انتہا پسند ہندو لیڈر، لالہ ہردیال نے لکھا ہے کہ:

......''تمام مسلمانوں کو، ہر جائز و ناجائز کوشش سے ہندو بناکر، ہندوؤں کے کسی نہ کسی فرقے میں شامل کرلو، اور، **اِس طرح ''سوراجیہ'' حاصل کرلو۔**

اور بھارت وَرش کو، تمام غیر ہندوؤں سے پاک اور شُدھ، کرلو۔

اگر، تم، یہ نہیں کرسکتے تو، **پہلے ''سوراجیہ'' حاصل کرلو۔**

اور ہندو ریاست، قائم کرکے، پھر سلطنت، رُعب، جاہ وحشم کی تخویف، اور زَر کی لالچ سے **تمام مسلمانوں کو، گمراہ کرکے، ہندو بنالو۔''**

(اخبار ''ملاپ'' لاہور ۱۹۲۵ء۔ اخبار ''زمیندار'' لاہور ۱۹۲۵ء۔ اخبار ''تنظیم'' امرتسر، پنجاب۔ ۱۹۲۵ء)

شری، آچاریہ کرپلانی (جنرل سکریٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی) بڑی صراحت کے ساتھ، کہتے ہیں کہ:

''یہاں، یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ:

کانگریس کی ہر اسکیم، گاندھی جی کے فلسفہ کے ماتحت، چلائی جائے گی۔

یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ: آپ کسی اسکیم کو، کسی اور فلسفۂ زندگی کے اصول پر چلائیں۔

کانگریسی اسکیموں کا قلم، کسی اور فلسفۂ زندگی پر، نہیں لگایا جاسکتا۔

یہ فلسفۂ زندگی، دنیا کے کسی اور فلسفۂ زندگی کے ماتحت نہیں، بنایا جاسکتا۔

بہرحال! گاندھی جی کا فلسفۂ زندگی، ایک ایسا فلسفہ ہے جس سے، اِجتماعاً بھی قوم، صحیح رہبری حاصل کرسکتی ہے اور فرداً فرداً بھی، اشخاص، اس سے سیدھا راستہ پاسکتے ہیں۔

......گاندھی جی نے کانگریس کو بتایا کہ:

ہمارا کام صرف، یہ نہیں کہ ملک کی سیاسی باگ ڈور، انگریزوں کے ہاتھ سے چھین کر اہلِ ملک کے ہاتھوں میں، دے دیں۔ **بلکہ سب سے ضروری، یہ ہے کہ:**

ہم، تمام جدوجہد کی بنیاد، کسی اپنے فلسفۂ حیات پر، رکھیں۔

جس کے دائرے میں، **ہماری معاشرت واخلاق اور روحانیت**، سب کچھ، داخل ہو۔''

(اخبار مدینہ، بجنور۔ شمارہ اگست ۱۹۳۹ء)

ایسے ہی ''فلسفۂ حیات'' و ''سوراجیہ'' اور دیگر نظریات وعزائم نے:

مخلص و مدبّر عُلما اور باشعور وغیرت مند قائدینِ مِلّت کو مضطرب اور بے چین کر دیا۔

چنانچہ، ۱۹۲۱ء ہی میں، حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی، مرادآبادی (وصال ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۶ء) تلمیذِ صدرُ الافاضل، مولانا محمد نعیم الدین، مرادآبادی (وصال ذوالحجہ ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) ''سوراجیہ'' کے بارے میں، تحریر فرماتے ہیں:

''سوراج'' کے معنی، یہ ہیں کہ:

اِس ہندوستان سے، ہر اُس شخص کو نکال دیا جائے، جس کو، وہ، اپنے خیال میں:

غیر ملکی، سمجھتے ہیں۔ یا۔ تہِ تیغ کر دیا جائے۔ یا۔ دین و ملّت سے مُرتد کر کے، غلام بنا لیا جائے۔

اور، اچھوت قوموں کی طرح، کتّوں اور موذی جانوروں سے بدتر زندگی گذارنے پر مجبور کر دیا جائے۔

یہ ''سوراج'' آریہ قوم کو، جان سے زیادہ، عزیز ہے۔''

(ص ۹۔ ماہنامہ ''اَلسَّوَادُ الاعظم'' مرادآباد۔ شمارہ ربیعُ الاول ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء)

جدید نظریۂ قومیت ہو کہ متحدہ قومیت، اس کے تعلق سے ڈاکٹر اقبالؔ (متوفی ۱۹۳۸ء) نے، واضح طور سے:

جو سنگین خطرات محسوس کیے، اُن کا اظہار، انھوں نے مختلف مواقع پر کیا۔

چنانچہ، ان کے خیالات ونظریات، ان کے صاحبزادے، جاوید اقبال، اِس طرح لکھتے ہیں:

''وہ، ہم کو، ایک ایسی قومیت کی راہ، دکھا رہے ہیں، جس کو:

کوئی مخلص (مسلمان) ایک منٹ کے لئے قبول نہیں کر سکتا۔''

(ص ۲۴۹۔ زندہ رَوَد۔ جلدِ دوم۔ از جاوید اقبال۔ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور)

''علاوہ، اس کے، انھیں (اقبالؔ) خدشہ تھا کہ:

ایسے اِشتراک اور مسلمانوں کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر:

''قومیتِ متحدہ'' کے داعی، ان کی علیحدہ، مِلّی حیثیت، نہ ختم کر دیں۔

جس کے سبب، انھیں بعد میں، پشیمان ہونا پڑے۔''

(ص ۲۴۸۔ زندہ رَوَد۔ جلدِ دوم۔ از جاوید اقبال)

اسی خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے انجمن حمایتِ اسلام، لاہور کے ایک اجلاس (منعقدہ در نومبر ۱۹۲۱ء) کے اپنے خطاب میں، ڈاکٹر اقبالؔ نے مسلمانوں سے کہا:

''میں، مسلمانوں کو، بتا دینا چاہتا ہوں کہ:

آج، اگر، وہ، شریعت کی راہ پر، نہ چلے، تو:

ہندوستان میں، اُن کی حیثیت، اسلامی نقطۂ نظر سے، بالکل، تباہ ہو جائے گی۔''

(ص ۶۴۔ اقبالؔ اور انجمن حمایتِ اسلام، لاہور۔ از محمد حنیف شاہد۔ مطبوعہ لاہور)

ڈاکٹر اقبالؔ، اپنے ایک مکتوب (محرّرہ ۵/دسمبر ۱۹۲۸ء۔ بنام، غلام بھیک نیرنگ۔ وکیلِ انبالہ۔ پنجاب) میں لکھتے ہیں:

''اگر، ہندوستان میں، مسلمانوں کا مقصد، سیاسیات سے، محض آزادی اور اِقتصادی بہبودی ہے اور حفاظتِ اسلام، اس مقصد کا عنصر نہیں ہے۔ جیسا کہ:

آج کل کے قوم پرستوں کے رَوَیّہ سے معلوم ہوتا ہے۔

تو، مسلمان، اپنے مقصد میں، کبھی کامیاب، نہ ہوں گے۔

یہ بات، مَیں، علیٰ وَجہِ البصیرت کہتا ہوں۔

اور سیاسیاتِ حاضرہ کے تھوڑے سے تجربے کے بعد:

ہندوستان کی سیاسیات کی رَوِش، جہاں تک، مسلمانوں کا تعلق ہے۔

خود، اسلام کے لئے خطرۂ عظیم ہے۔

اور میرے خیال میں، شُدّھی کا خطرہ، اس خطرے کے مقابلے میں، کچھ وقعت، نہیں رکھتا۔

یا۔ کم از کم، شُدّھی بھی، اسی کی ایک غیر محسوس صورت ہے۔'' (سہ ماہی ''اقبال'' لاہور۔ ۱۹۵۷ء)

ڈاکٹر اقبالؔ (متوفی ۱۹۳۸ء) سیاسی نظریۂ قومیت ومتحدہ قومیت کے بارے میں بے حد حسّاس وغیرت مند اور اپنے موقف کو، اسلامی تشخّص اور غیرت وحمیت پر مبنی، سمجھتے تھے۔

انھوں نے اپنے موقف کے اِظہار و اِثبات اور اس کے برعکس موقف کی شدید تنقید پر مشتمل بہت سے اشعار کہے ہیں۔ جن میں سے، چند اشعار، درج ذیل ہیں:

سرود، برسرِ منبر کہ ''مِلّت از وطن ست''
چہ بے خبر، زِ مقامِ محمدِ عربی ست
بہ مصطفیٰ، برساں، خویش را کہ دیں، ہمہ اوست

و گر، بأو نہ رسیدی ،تمام بولہبی ست

☆☆☆

نَدانی نکتۂ دینِ عرب را
کہ گوئی صبحِ روشن، تیرہ شب را
اگر، قوم از وطن بودے، محمد
نَدادے دعوتِ دیں ، بولہب را

☆☆☆

اپنی مِلّت کو قیاس، اَقوامِ مغرب پہ نہ کر
خاص ہے ترکیب میں، قومِ رسولِ ہاشمی
اُن کی جمعیّت کا ہے، ملک ونَسب پہ اِنحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے، جمعیّت تری
دامنِ دیں، ہاتھ سے چھوٹا ،تو جمعیّت کہا؟
اور جمعیّت ہوئی رخصت ،تو مِلّت بھی گئی

☆☆☆

اکبرالہ آبادی کا موقف بھی، یہی تھا کہ:

مِلّت سے کلّی وابستگی، اور مِلّی شناخت ہی، ہر مسلمان کے لئے باعثِ افتخار اور سرمایۂ عزت وشہرت ہے۔

اپنے مخصوص شاعرانہ انداز میں، اکبرالہ آبادی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ:

کامیابی ''خارج از مِلّت'' سے ناکامی بھلی
لطفِ دشمن ہی سے ہو،شہرت،تو ناکامی بھلی
بے وفا سمجھیں تمھیں، اہلِ حَرم، اِس سے بچو
دَہر والے، کج ادا، کہہ دیں، یہ بدنامی بھلی
پختہ ہوکر، اپنی شاخ وبُن سے، ہوتا ہے جُدا
اے ثمر! چشمِ محبت میں، تری خامی بھلی

☆☆☆

حلقۂ دیوبند کے مشہور عالم، مولانا شبیر احمد عثمانی (متوفی ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء) سابق صدر مہتمم، دارالعلوم، دیوبند، وشیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل، گجرات (انڈیا)

نظریۂ متحدہ قومیت کو، مسلمانوں کے لئے ،خودکشی کے مترادف ،قرار دیتے ہوئے، اِس طرح، اظہارِ خیال کرتے ہیں:

''ہمارے لئے سب سے پہلے، ایک اسلامی وحدت ومرکزیت پر، زور دینے کی ضرورت ہے۔اس کے بدوں، **کسی نام نہاد،قومیتِ متحدہ کے تیز دھارے میں،**

گھاس کے تنکے کی طرح، اپنے آپ کو، ڈال دینا، خودکشی کے مترادف ہے۔

مسلمان، دوسری قوموں سے صلح کر سکتے ہیں۔عہد و پیمان کر سکتے ہیں۔ بہت سے اُمور میں، تعاون اور اِشتراکِ عمل، کر سکتے ہیں۔

لیکن! وہ، اپنی مستقل ہستی کو، دوسروں میں، مدغم نہیں کر سکتے۔''

(ص۲۳۔ ماہنامہ ''طلوعِ اسلام'' دہلی۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء)

گذشتہ صفحات میں حضرت مولانا سید سلیمان اشرف علی گڑھی ،صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کی درج شدہ تحریر، یہاں دوبارہ پڑھ لی جائے تو حقیقتِ حال، اچھی طرح واضح ہوجائے گی کہ:

مسلم وجود، مسلم حیثیت اور مسلم قومیت، کسی حال میں کسی غیر اسلامی نظریہ وفکر کے ساتھ کبھی بھی ضَم اور جذب نہیں ہوسکتی۔

نیشنلزم (قومیت/راشٹریتا) سو، ڈیڑھ سو سال کا ایسا جدید نظریۂ یوروپ ہے۔جو:

بڑی تیزی کے ساتھ، دنیا کے مختلف حصوں میں متعارف ومقبول ہوگیا۔

اس نظریۂ قومیت کی بنیاد ''وطنیت'' اور صرف وطنیت ہے۔جس میں مذہب کی کوئی حیثیت ، بلکہ کوئی گنجائش نہیں۔

یوروپی نظریۂ قومیت، نیز نظریۂ متحدہ قومیت کے سلسلے میں زیادہ تحقیق وتفصیل اور تطویل سے کچھ فائدہ نہیں۔اجمال واختصار کے ساتھ، پوری بحث، اِس طرح، سمیٹی جاسکتی ہے کہ:

اسلام، چوں کہ زندگی کے ہر شعبہ، ہر نظریہ، ہر فکر، ہر عمل میں مکمل رہنمائی کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں سے اس کا تقاضا کرتا ہے کہ:

وہ سارے اُمور ومعاملات کو، مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھیں، سمجھیں، اور:

روحِ مذہب سے قریب تر، رہ کر، کوئی رائے، قائم کریں اور کوئی فیصلہ کریں۔

یہی وجہ ہے کہ مسئلۂ قومیت کے بارے میں مُستند عُلماے دین کا، یہی فیصلہ ہے کہ:

مسلم قوم اپنی مذہبی بنیاد، اور اپنی مکمل شناخت کے ساتھ، ایک مستقل وجود ہے۔ اور یہ مسلم قومیت، کسی دوسرے وجود میں ضَم ہو سکتی ہے، نہ ہی اپنی مذہبی حیثیت و قومیت کے ساتھ، کسی کی تابع و محکوم ہو سکتی ہے۔

اس کی قومیت، محض مسلم قومیت ہے۔ اس کے علاوہ، اس کی کوئی قومیت نہیں۔

مسلم قومیت سے متصادم، دورِ جدید کے قومی نظریات، درج ذیل ہیں:

(۱) یوروپی اَقوام کے نظریۂ قومیت کا مذہب سے کوئی تعلق نہیین۔ ان کی قومیت کی بنیاد، محض ''وطنیت'' ہے۔ جیسے: جرمن قوم، برطانوی قوم۔ ایشیائی اقوام میں چینی قوم، جاپانی قوم۔ وغیرہ۔

(۲) آر، ایس، ایس، نظریۂ قومیت کی کی بنیاد، ''وطنیت'' بھی اور ''دَھرم'' بھی ہے۔

کوئی غیر ہندو، اس قومیت کا حصہ نہیں بن سکتا۔ جب تک، وہ:

اپنے مذہبی وجود کو ''ہندوتوا'' میں ضَم، نہ کر لے۔

دوسری شکل، صرف، یہ ہے کہ وہ،

تابع و محکوم بن کر، رہے اور اپنے لئے کسی طرح کا کوئی مطالبہ، نہ کرے۔

مؤخَّرُ الذکر دونوں نظریات، مسلمانوں کے دین و مذہب، ان کی تہذیب و تمدن اور ان کے وجود کی مکمل نفی کرتے ہیں۔

یہ نظریات، مسلمانوں کا شِعار، ان کا تشخُّص، ان کا وقار، سب کچھ، فنا کے گھاٹ اتار دینے والے ہیں، اِسی لئے کسی دَور میں مسلمانوں کے مستند و نمائندہ عُلماے کرام کے نزدیک، قابلِ قبول رہے ہیں اور نہ کبھی ہو سکتے ہیں۔

ہندوستانی مسلمان، اپنے وطن اور اپنے ملک سے محبت رکھتے ہیں اور دوسروں سے زیادہ اس کے وفادار ہیں۔ اس کی بقا و اِستحکام اور ترقی و نیک نامی کے خواہاں ہیں۔

مگر، انھیں اپنا ایمان و اسلام اور اپنا دین و مذہب، اتنا عزیز اور گراں قدر سرمایہ ہے جس کی، وہ، ہر حال میں حفاظت کرنا، ضروری اور لازم سمجھتے ہیں۔ اور اس کے خلاف، وہ، کسی سے بھی اور کسی حال میں بھی کوئی سمجھوتہ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں۔

اول و آخر، ان کا یہی موقف، یہی نظریہ اور اس کی صحت و صداقت پر، ان کا اِذعان و ایقان

ہے کہ:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ، بجھایا نہ جائے گا

☆☆☆

یٰسٓ اختر مصباحی
دارُالقلم، قادری مسجد روڈ،
ذاکر نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
09350902937

مؤرخہ
۲۹ رجب ۱۴۳۷ھ
۷ مئی ۲۰۱۶ء۔ بروز شنبہ